رہنمایانِ قوم کے ہاتھوں

اسلامی تہذیب واقدار کی پامالی

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

عام معاشرے میں دینی ماحول کا فقدان، اسکولوں اور کالجوں میں دینی تربیت سے بے اعتنائی، مخلوط تعلیم کی وبا، لڑکوں اور لڑکیوں کا اختلاط، زیب وزینت کر کے تفریح گاہوں کی سیر، ٹی وی اور نیٹ کے روح فرسا مناظر کا رات دن مشغلہ، قدم قدم پر عریاں مناظر اور حیا سوز مظاہر، یہ سب جدید تہذیب کی برکات اور مخلوط تعلیم کے ثمرات ہیں۔

جدید تہذیب کی انہیں ''برکات'' اور مخلوط تعلیم کے انہیں ''ثمرات'' سے فیض یاب ہو کر راہنمایانِ قوم وطن عزیز میں اسلامی اقدار کو کس طرح مٹا رہے ہیں؟ اور اسلامی شعائر کی حرمت وناموس کو کس طرح پامال کر رہے ہیں؟ اس کا اندازہ اس خبر سے کیا جا سکتا ہے کہ لاہور میں ایک پرائیویٹ کالج کے میوزیکل کنسرٹ میں پاکستان کے مستقبل کے معماران کی ایک مخلوط ثقافتی تقریب منعقد ہوئی اور تقریب میں بھگدڑ کے نتیجے میں تین طالبات زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور کئی طالبات زخمی ہو گئیں۔

جدید نسل کی اس بے حیائی پر مشتمل واقعہ میں جو بے ہودگی ہوئی، جس طرح طالبات کی بے حرمتی کی گئی اور اس کے نتیجہ میں طالبات کی ہلاکتیں ہوئیں، اس نے سلیم الفطرت اور باحیا مسلمانوں کے سر شرم سے جھکا دیئے، اس لئے کہ کہنے کو ہم مسلمان ہیں، لیکن ہمارے یہ اعمال اور ہمارا یہ کردار کافروں اور دھریوں سے بھی بدتر ہے۔

اسلام عفت، حیا اور پاکدامنی کا درس دیتا ہے۔ اسلام بے غیرتی اور بے حیائی کو ناپسند کرتا ہے، اسی بنا پر اسلام مرد وزن کے اختلاط کو ہر سطح اور ہر موقع پر سختی سے منع کرتا ہے، چاہے وہ گھر ہو یا بازار، چاہے اسکول، کالج، یونیورسٹی ہو یا کوئی دینی یا دنیوی اجتماع۔

یہ کیسے مسلمان ہیں جو اپنی سادہ لوح مسلمان بہنوں، بیٹیوں اور اولادوں کو ناچ گانے اور ڈانس پارٹیوں میں ناچنے اور تھرکنے پر مجبور کرتے ہیں؟ اور انہیں ان مجالس اور پارٹیوں کے لئے دعوت گناہ دیتے ہیں؟۔ اسی کا شاخسانہ ہے کہ ایک تعلیمی ادارہ کے تین طلبا اور تین طالبات اپنے اسکول سے بھاگ کر پشاور کے ایک ہوٹل میں کئی دن گزار کر عدالت کے ذریعہ اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ کیا کہا جائے کہ ان طلبا و طالبات نے یہ ''راہ'' اور یہ ''کردار'' کہاں سے سیکھا؟۔

اس بے حیائی پر کڑھتے ہوئے پنجاب اسمبلی میں ایک معزز رکن اسمبلی محترمہ سیمل کامران صاحبہ نے تعلیمی اداروں میں ایسی فحش، نازیبا اور حیا سوز تقریبات منعقد کرنے پر پابندی عائد کرنے کے لئے درج ذیل قرارداد پیش کی:

> ''لاہور (ثنا نیوز/ امت نیوز) پنجاب اسمبلی نے سرکاری وغیر سرکاری تعلیمی اداروں میں میوزیکل کنسرٹ پر فی الفور پابندی عائد کرنے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ پنجاب کے تمام سرکاری وغیر سرکاری تعلیمی اداروں میں قابل اعتراض میوزیکل کنسرٹس پر پابندی عائد کی جائے۔ مسلم لیگ (ق) کی رکن سیمل کامران نے قرارداد پیش کی کہ ایوان کی رائے ہے کہ صوبہ بھر کے تمام سرکاری وغیر سرکاری میوزیکل کنسرٹس پر فی الفور پابندی لگائی جائے۔ واضح رہے کہ گزشتہ دنوں ایک نجی تعلیمی ادارے کے میوزیکل شو میں بھگدڑ مچ جانے کے باعث تین طالبات ہلاک ہوگئی تھیں۔ صوبائی وزیر قانون رانا ثناء اللہ خان نے قرارداد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ نجی تعلیمی ادارے کے میوزیکل شو میں بھگدڑ مچ جانے سے تین طالبات کی ہلاکت کی میڈیا نے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ اس کے بعد قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی، تاہم قرارداد کی منظوری کے بعد ایک مخصوص ٹی وی چینل نے اس کے خلاف فوری طور پر مہم شروع کر دی اور ناچ گانے کے پروگراموں کو تعلیمی اداروں میں تفریح کے لئے ضروری قرار دے دیا۔ ٹی وی کی اس مہم کے بعد پنجاب حکومت نے بھی اسمبلی میں متفقہ طور پر منظور قرارداد سے لاتعلقی ظاہر کر دی، حالانکہ (ن) لیگ کے تمام ارکان بشمول صوبائی وزیر

قانون نے اسمبلی میں اس کی حمایت کی تھی اور عوامی سطح پر بھی اسے سراہا گیا تھا، کیوں کہ تعلیمی اداروں میں میوزیکل شوز کے بڑھتے ہوئے رجحان سے طلبا و طالبات کے اخلاق پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور راولپنڈی میں میٹرک کی تین طالبات اور تین طلباء کے بھاگ کر پشاور جانے کا واقعہ بھی پیش آ چکا ہے، تاہم ایک مخصوص ٹی وی کی مہم سے متاثر پنجاب حکومت کے ترجمان نے اسمبلی قرارداد سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکومت صوبے میں ہر قسم کی ثقافتی سرگرمیوں کی حمایت کرے گی''۔

(روزنامہ امت، کراچی، یکم ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/ ۲۵ جنوری ۲۰۱۲ء)

اسکولوں اور کالجوں میں میوزیکل پروگرام پر پابندی سے متعلق پنجاب اسمبلی میں منظور کی جانے والی اس قرارداد کا جہاں علمائے کرام نے خیر مقدم کیا، وہاں ان اسکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم طلبا و طالبات کے والدین نے بھی اس پر خوشی کا اظہار کیا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس قرارداد کی محرکہ محترمہ سیمل کامران صاحبہ جن کا تعلق اقلیتوں سے ہے، وہ تو یہ کہتی ہیں کہ ناچ گانا کوئی فن و ثقافت نہیں، اور اس قرارداد پر مجھے فخر ہے، لیکن ماشاء اللہ! ''مسلم'' لیگ (ن) اور پی پی کے ''مسلمان'' اراکین اسمبلی اس قرارداد کے منظور ہونے پر ''شرمندہ'' اور اس ''ملامت'' کو اپنے سر سے اتارنے کے لئے سرگرداں اور پریشان نظر آتے ہیں۔

لیجئے! میوزیکل کنسرٹ پر پابندی کی اس قرارداد کو منظور ہوئے ابھی دو دن نہ گزرنے پائے تھے کہ پنجاب اسمبلی میں (ن) لیگ اور پی پی ارکان نے یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا کہ تعلیمی اداروں میں ثقافتی سرگرمیوں کی اجازت ہونی چاہئے اور اسمبلی میں منظور کردہ قرارداد کے برعکس دوسری قرارداد لائی گئی کہ:

''لاہور (ایجنسیاں) پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں حکومتی اور اپوزیشن اراکین نے سرکاری و غیر سرکاری تعلیمی اداروں میں قابل اعتراض میوزیکل کنسرٹ پر پابندی کی قرارداد پر یوٹرن لے لیا ہے۔ دو روز پہلے متفقہ طور پر منظور کردہ اپنی ہی قرارداد کے خلاف قرارداد منظور کر لی، جس میں سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں میں غیر نصابی سرگرمیوں، ثقافتی، ملی اور ادبی پروگراموں پر کسی بھی قسم کی پابندی نہ ہونے کی بات کی گئی ہے۔ قرارداد کثرت رائے سے منظور کی گئی۔ (ن) لیگ کے رکن مولانا الیاس احمد چنیوٹی اور عبدالوحید چوہدری نے قرارداد پر تنقید کی، جب کہ شیخ علاء الدین اپنی قرارداد ایجنڈے پر نہ آنے

پر ایوان سے واک آؤٹ کر گئے۔ ان کی اسپیکر سے تلخ کلامی بھی ہوئی۔ جمعرات کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں قائد حزب اختلاف راجہ ریاض احمد نے قرارداد پیش کی، جس میں کہا گیا ہے کہ اس ایوان کی رائے ہے کہ سرکاری و غیر سرکاری تعلیمی اداروں میں غیر نصابی سرگرمیوں، ثقافتی، ملی اور ادبی پروگراموں پر کسی بھی قسم کی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔ جس پر (ن) لیگ کے رکن اسمبلی الیاس احمد چنیوٹی نے کہا کہ ثقافتی پروگراموں کی آڑ میں کسی کو بے حیائی کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور قرآن میں یہ کہا گیا ہے کہ گانا گانے والا اور گانا سننے والا دونوں جہنمی ہوں گے۔ قرارداد کی منظوری سے پہلے یہ بتایا جائے کہ قرارداد میں جس ثقافت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ کون سی ثقافت ہے؟۔ عبدالوحید چوہدری نے کہا کہ خدارا ثقافت کے نام پر اسلام کی توہین اور بے حیائی کی اجازت نہ دی جائے۔ مولانا الیاس چنیوٹی صوبائی وزیر قانون کے پاس بھی گئے اور ان سے اس حوالے سے کوئی بات کی، جس کے بعد وہ ایوان سے باہر چلے گئے اور رانا ثناء اللہ خان نے اسپیکر سے کہا کہ قرارداد انتہائی موزوں الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ اس پر رائے مانگی جائے۔ ایوان میں موجود صرف ایک رکن وحید چوہدری نے قرارداد کی مخالفت کی، جب کہ دیگر تمام ارکان اسمبلی نے قرارداد کے حق میں رائے دی''۔

(روزنامہ امت، کراچی، ۳؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/ ۲۷؍جنوری ۲۰۱۲ء)

شاید ان اراکین اسمبلی کو یہ خدشہ اور ڈر پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں ''صاحب بہادر'' ہمیں بنیاد پرست، دقیانوس اور پنجابی طالبان کی فہرست میں شامل کر کے راندہ درگاہ نہ کردے، اس لئے اپنی روشن خیالی کا ثبوت دیتے ہوئے ان اراکین اسمبلی نے پہلی قرارداد کے برعکس دوسری قرارداد منظور کی۔

ایک غیر جانبدار آدمی پنجاب اسمبلی کے اس عمل سے کیا یہ نتیجہ اخذ نہیں کرے گا کہ صوبہ پنجاب پاکستان کا ایسا صوبہ ہے جس نے ناچ، گانا، فحاشی، عریانی اور رقص وسرود کو نہ صرف یہ کہ سند جواز عطا کی ہے؟ بلکہ اس عمل میں چاہے اموات بھی ہو جائیں، وہ بھی انہیں قابل تحمل اور قابل برداشت ہیں؟ اور اگر ان بے حیائی کے پروگراموں اور بے شرمی کے مناظر کے نتیجے میں مسلم طلبا و طالبات بے راہ روی اور بے غیرتی کا شکار ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کی عقل اور فہم رسا کو قابل قبول ہیں؟ نعوذباللہ من ذلک۔ روزنامہ نوائے وقت کے مدیر نے بجا طور پر اپنے اداریہ میں یہ

بات لکھی ہے کہ:

''راجہ ریاض نے مستقبل کی قیادت کو ''کنجروں'' کے رنگ میں رنگنے کا بل منظور کروا کر نہ جانے کس کی خدمت کی ہے؟ اور حکومتی ارکان وحید چوہدری اور مولانا الیاس چنیوٹی نے ثقافتی بل کی مخالفت کر کے لاکھوں شہداء کی قربانیوں کی لاج رکھی ہے، کیونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو بناتے وقت ہمارے اکابرین نے ہندوانہ ثقافت کو دریا برد کر کے اسلام کا بول بالا کیا تھا، ہماری موجودہ اسمبلی کو گاندھی کے اصولوں کی پیروی کو ترک کر کے قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے خوابوں کے مطابق پاکستان کو چلانا چاہئے''۔

(روزنامہ نوائے وقت، کراچی، ۴ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/ ۲۸ جنوری ۲۰۱۲ء)

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ ''ثقافت'' کے معنی ومفہوم پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''اسلامی لغت ''ثقافت'' کے لفظ سے نا آشنا ہے۔ قرآن کریم، حدیث نبوی اور دیگر اسلامی ذخائر میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل قرار دیا، مگر یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں ''ثقافت'' کی تعلیم کے لئے آیا ہوں۔

دراصل انگریزی میں کلچر کا لفظ تہذیب وتمدن اور اسلوب زندگی کے معنی میں رائج تھا۔ ہمارے عرب ادبا نے اس کا ترجمہ ''ثقافت'' سے کر ڈالا اور جب سے یہ لفظ مسلمانوں میں کثرت سے استعمال ہونے لگا، مگر یہ مہمل لفظ آج تک شرمندۂ مفہوم ومعنی نہیں ہوا۔ ہر شخص نے اپنے ذوق کے مطابق اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی اور آج کل عموماً اسے رقص وسرود، ناچ رنگ اور فحاشی اور عیاشی کے مناظر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، خیر کچھ بھی ہو، کہنے کی بات یہ ہے کہ اس اسلامی ملک میں ان علاقائی ثقافتوں کی ترویج ونمائش اور حوصلہ افزائی کا کیا مقصد ہے؟ ''سندھی ثقافت'' آخر کیا بلا ہے؟ اس سے مراد محمد بن قاسمؒ کی ثقافت ہے یا راجہ داہر کی؟ ''پنجابی ثقافت'' کیا چیز ہے؟ کیا راجہ رنجیت سنگھ کی ثقافت کا احیاء مقصود ہے؟

''سندھی'' ایک مسلمان بھی ہوسکتا ہے اور کافر بھی، ''پنجابی'' ایک مومن بھی ہوسکتا ہے اور ایک سکھ بھی، ''بلوچی'' بھی ایک مسلم بھی ہوسکتا ہے اور ایک

یہودی بھی۔ جب آپ سندھی، پنجابی اور بلوچی ثقافتوں کی نمائش کریں گے تو وہ ایک مسلم و کافر کی مشترکہ میراث ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان کے اس میں کیا دلچسپی ہے؟ کیا پاکستان انہی چیزوں کو نمایاں کرنے کے لئے بنایا گیا، جن میں دنیا بھر کے کافروں کی تسلی کا سامان تو ہو، مگر اسلام اور مسلمانوں کو ان سے کوئی واسطہ نہ ہو؟۔

اگر یہ ایک اسلامی ملک ہے اور یہاں کے شہری مسلمان ہیں تو ان سب کے لئے ایک ہی ثقافت ہوسکتی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ۔ عقل و ایمان کا یہ کیسا المیہ ہے کہ اسلام، اسلامی تعلیمات اور اسوۂ نبوی کی کسی کو فکر نہیں، مسلمانوں کے اخلاق و معاشرت کی اصلاح کی طرف کسی کو توجہ نہیں اور زندہ کیا جارہا ہے تو ان تہذیبوں کو؟ اس کے لئے ہزاروں لاکھوں روپیہ اس مفلس ملک اور بے بس قوم کا صرف کیا جارہا ہے۔ اور یہ بات بھی شاید ہمارے اربابِ حل وعقد کے سوا کسی کی عقل میں نہیں آئے گی کہ ایک طرف تو زبانی جمع خرچ کے طور پر چاروں صوبوں کے درمیان اتفاق و اتحاد کی ضرورت پر زور دیا جاتا ہے۔ علاقائی عصبیت پھیلانے والوں کو ملک وملت اور قوم ووطن کے غدار کے خطاب سے نوازا جاتا ہے، اور دوسری طرف ہزاروں روپیہ خرچ کر کے علاقائی ثقافتوں کو ابھار کر علاقائی عصبیت کی چنگاری کو ہوا دی جاتی ہے، ان سندھی، پنجابی، پٹھانی، بلوچی ثقافتوں کو جب اچھالا جائے گا تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ لوگوں میں سندھیت اور پنجابیت، پشتونیت اور بلوچیت کا احساس ابھرے گا، صوبوں کے درمیان منافست اور منافرت بیدار ہوگی اور علاقائی عصبیت کا بھوت عریاں رقص کرنے لگے گا۔ ایک وطن، ایک قوم، ایک ملت اور ایک مقصد کا احساس اگر کسی کے گوشۂ قلب میں موجود ہو تو وہ بھی دب کر رہ جائے گا، کہیں یہ ثقافتی میلے، یہ علاقائی ناچ رنگ کی نمائش، ملک کے مزید حصے بخرے کرنے کی سازش تو نہیں؟ کیا یہ مسلمانوں میں مزید جنگ وجدال برپا کرنے کی تمہید تو نہیں؟۔

ان علاقائی ثقافتی میلوں کا ایک اور دردناک پہلو بھی نہایت اہم ہے، اس وقت پورا ملک ہوشربا گرانی اور قلتِ رسد کی لپیٹ میں ہے، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے بعض علاقوں میں قحط کے سے آثار نمودار ہورہے ہیں، لوگوں کی ستر

پوشی کے لئے کپڑا اور جسم وجان کا رشتہ قائم رکھنے کے قوت لایموت کا حصول بھی مشکل ہورہا ہے، خشک سالی نے آئندہ فصل کے لئے بھی بیم وخوف کی شکل پیدا کردی ہے، بجلی اور پانی کی قلت سے زمین بنجر اور کھڑی فصلیں خشک ہورہی ہیں، حالات کے دباؤ نے لوگوں میں اندیشہ ہائے دور دراز پیدا کردیئے ہیں، ہر شخص فکرمند نظر آتا ہے۔

اگر کسی کے دل میں رحم وانصاف کی کوئی رمق ہو تو اسے سوچنا چاہئے کہ ان سنگین حالات میں یہ ملک ان ثقافتی عیاشیوں کا متحمل ہے؟ ان حالات میں توبہ و استغفار اور انابت الی اللہ کی ضرورت ہے یا ان مختلف علاقوں کے ناچ رنگ کے ڈراموں کی؟''۔ (بصائر وعبر، ج:۲، ص:۳۹۷ تا ۳۹۹)

روزنامہ نوائے وقت کے کالم نگار جناب غلام اکبر صاحب نے اپنے کالم ''حملہ ہو چکا ہے'' میں اپنے زمانۂ تعلیمی میں پیش آمدہ اپنے استاذ کا ایک نصیحت آموز واقعہ تحریر کرنے سمیت جو کچھ لکھا ہے، وہ دینی طبقہ کے دل کی آواز ہے۔ قارئین بینات کے افادہ کے لئے اُسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''یہ ۱۹۵۹ء کی بات ہے۔ میں انگریزی ادب میں آنرز کررہا تھا۔ سندھ یونیورسٹی میں ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ پروفیسر جمیل واسطی مرحوم تھے، جو پنجاب سے ریٹائرمنٹ کے بعد کنٹریکٹ پر حیدرآباد آئے تھے۔

ہماری کلاس میں تقریباً بیس سٹوڈنٹ تھے۔ ان میں چھ کے قریب طالبات تھیں۔ اس زمانہ میں طالبات انگریزی ادب فیشن کے طور پر پڑھا کرتی تھیں۔ ہماری کلاس نے پکنک کا ایک پروگرام بنایا، لیکن اس پر اختلاف ہوگیا کہ لڑکیاں اور لڑکے اکٹھے پکنک منانے جائیں یا الگ الگ؟۔ یہ معاملہ پروفیسر جمیل واسطی کے علم میں آیا تو انہوں نے رائے دی کہ الگ الگ پکنک کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مگر یہاں تو مخلوط تعلیم ہے واسطی صاحب! ایک لڑکی نے اٹھ کر احتجاج بھری آواز میں کہا۔ میں نے کب کہا کہ میں مخلوط تعلیم کا حامی ہوں؟ واسطی مرحوم بولے۔ سر! یہ کیسی بات کررہے ہیں آپ؟ زمانہ بہت ترقی کرچکا ہے۔ وہ لڑکی بولی۔ واسطی صاحب نے گھوم کر لڑکی کی طرف دیکھا جو ایک معروف متمول اور فیشن ایبل خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ پھر انہوں نے میری طرف

دیکھا اور کہا: غلام اکبر! تمہاری جیب میں ایک چونّی ہوگی؟ اس عجیب وغریب سوال پر میں چونک پڑا اور جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ واسطی صاحب فوراً ہی بولے: دروازے سے باہر جاکر چونی کاریڈار میں رکھ دو۔ پوری کلاس حیرت زدہ تھی، میں بھی حیرت زدہ ہوکر دروازے کی طرف مڑا، تو واسطی صاحب بولے: سمجھ لو کہ تم چونّی کلاس کے باہر رکھ چکے ہو، اب بیٹھ چکے ہو۔ پھر واسطی صاحب اس لڑکی کی طرف مڑے اور بولے: جب ہم کلاس ختم کرکے باہر نکلیں گے تو کیا وہ چونی وہاں موجود ہوگی؟ لڑکی بدحواس سی ہوگئی، پھر سنبھل کر بولی: ہوسکتا ہے کہ اگر کسی کی نظر پڑے تو اٹھالے۔ اس جواب پر واسطی صاحب مسکرائے اور سب سے مخاطب ہوکر بولے: دیکھ لیں کہ جن لوگوں پر ایک چونّی کے معاملے پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، وہ لڑکیوں کے معاملے میں کس قدر شریف ہیں؟ حالانکہ چونّی بچاری تو لپ سٹک بھی نہیں لگاتی!!۔

واسطی صاحب کی اس بات پر پوری کلاس کو سانپ سا سونگھ گیا۔ میں آج تک وہ بات نہیں بھولا، اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں دقیانوسی سوچ رکھتا ہوں یا واسطی صاحب بہت زیادہ قدامت پسند اور دقیانوسی سوچ کے حامل تھے، لیکن کیا اس بات میں کچھ سچ ایسے نہیں چھپے ہوئے جن کا تعلق براہ راست انسان کی فطرت اور ان جبلتوں سے ہے جنہیں سدھایا اور سدھارا نہ جائے تو ان کی رو میں تہذیب وتمدن کے تمام تقاضے بہہ جایا کرتے ہیں؟۔

جب ہم اقدار کی بات کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اپنی شناخت کے حوالے سے کرتے ہیں اور جب ہم شناخت کی بات کرتے ہیں تو لبرل سے لبرل مسلمان کے لئے بھی یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اگرچہ اس کا نام مسلمانوں جیسا ہے، لیکن درحقیقت وہ مسلمان نہیں ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے بنیادی شرط کیا ہے؟ ہم مسلمان اس لئے ہیں کہ ۶۱۰ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا، جو انیس برس سے زیادہ عرصے تک جاری رہا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، اور ان پر نازل ہونے والا قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب

ہدایت ہے۔ ہم اس کتاب ہدایت پر مکمل ایمان رکھے بغیر خود کو مسلمان ہرگز قرار نہیں دے سکتے اور یہ بات بھی ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کو خدا کی بھیجی ہوئی آخری کتاب ہدایت میں عائد کردہ پابندیوں اور واضح کردہ قوانین وضوابط کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔

یہ بات ثقافت کی ہوتی ہے تو بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ ہم اسے یعنی اپنی ثقافت کو حکم الٰہی کی کسوٹی پر دیانت داری سے پرکھیں اور جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں ہمیں منع کیا ہے، ان سے احتراز کریں اور انہیں اپنی ثقافت کا حصہ نہ بننے دیں۔

میں یہاں روایات کی پابندی کی بات نہیں کر رہا، نہ ہی میں دین کے پرچم برداروں کے فتووں کی بات کر رہا ہوں، جو قرآن حکیم میں صادر فرمائے گئے ہیں، ان احکامات کی نفی یا ان سے دانستہ طور پر احتراز، فرار یا انکار ہمیں خدا کے نافرمانوں اور باغیوں کی فہرست میں شامل کر دے گا۔

بات یہاں میوزیکل کنسرٹس کے حوالے سے شروع ہوئی تھی، تو ہمیں پوری دیانت داری کے ساتھ اپنے آپ سے پوچھنا ہوگا کہ ان کنسرٹس کے ذریعہ جو معاشرتی اور اخلاقی رجحانات فروغ پا رہے ہیں، جن رویوں اور جس لباس کو شرف قبولیت عطا کیا گیا ہے، کیا وہ قرآن میں واضح طور پر متعین کردہ ''ضوابط'' سے مطابقت رکھتے ہیں؟ کیا ان میوزیکل کنسرٹس میں پیش کیا جانے والا کلچر اور ان سے لطف اندوز ہونے والے اجتماعات کے طور طریقے کسی بھی لحاظ سے ''نام لیوانِ محمد'' کے شایانِ شان ہیں؟۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اب بات مخلوط تعلیم تک محدود نہیں رہی۔ مخلوط معاشرت تک پہنچ کر اس سے بھی آگے نکلتی جا رہی ہے۔ گزشتہ دنوں راولپنڈی کے ایک سکول کی تین طالبات اور تین طلبہ کے غائب ہو جانے اور پھر پشاور کے ایک ہوٹل سے برآمد کئے جانے کا واقعہ ہمارے ذہنوں میں اگر نئی نسل میں پروان چڑھنے والے خطرناک رجحانات کے بارے میں تشویش ناک سوالات نہیں ابھار رہا تو میں یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گا کہ ہم مغرب کی اخلاق باختگی کو ثقافت کے نام پر اپنے معاشرتی رویوں میں شامل کر کے اپنی اُس ''شناخت'' سے

غداری کررہے ہیں، جس کی جڑیں احکاماتِ خداوندی میں ہیں۔

تفریح کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن رویوں کی حد بندی بہرحال ہونی چاہئے۔ اگر رقص موسیقی کا حصہ ہے تو ''اعضاء کی شاعری'' کو کس حد تک آگے جانا چاہئے۔ فن کہاں ختم ہوتا ہے؟ اور ترغیب کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ اس کا تعین بھی لازمی ہے۔ چند برس قبل جو لباس شریف گھرانوں میں داخل نہیں ہوسکتا تھا، وہ آج کی ''شریف زادیاں'' بڑے افتخار اور بڑی شان کے ساتھ پہن رہی ہیں۔

میں اسے ثقافتی حملہ کہوں گا۔ حملہ آور کون ہے؟ اس سوال کا جواب دینا یہاں میرا کام نہیں، لیکن حملہ ہورہا ہے، بلکہ ہوچکا ہے اور اس حملہ میں ہمارے بعض ٹی وی چینل بڑا بھرپور کردار ادا کررہے ہیں۔

جب حملہ ہوتا ہے تو مدافعت بھی جنم لیتی ہے اور مجھے یوں لگ رہا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب اپنی ''اسلامی شناخت'' پر فخر کرنیوالے لوگ اس حملے کے خلاف صف بند ہوجانے پر مجبور ہوجائیں گے''۔

(روزنامہ نوائے وقت، کراچی، ۴ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ/ ۲۸ جنوری ۲۰۱۲)

ہمارا مطالبہ ہے کہ تمام سرکاری وغیرسرکاری اداروں اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں ہرقسم کا ناچ، گانا اور میوزیکل پروگراموں پر پابندی لگائی جائے۔ اس مخلوط تعلیمی نظام کو بدلا جائے، تعلیمی اداروں سے ہرقسم کی بے پردگی، بے حیائی اور بے ہودگی کا قلع قمع کیا جائے اور اس کے تمام ذرائع واسباب کو چن چن کر ختم کیا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی عوام کو بھی چاہئے کہ اپنے اپنے حلقۂ انتخاب میں ایسے لوگوں کو آئندہ الیکشن میں بالکل مسترد کردیں، جو ایوانوں میں بیٹھ کر اسلام، اسلامی تہذیب واخلاق، اسلامی اقدار وشعار اور نظریۂ پاکستان کی تضحیک وتذلیل اور انہیں پامال کرنے اور مٹانے کا موجب اور ذریعہ بنتے ہیں۔ إن أريد إلا الاصلاح ماستطعت، وماتوفيقي إلا بالله.

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ اله وصحبه أجمعين.